محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم   مزاج شریف

"حکمتِ قرآن" کے ستمبر ۱۹۸۷ء کے شمارے میں آپ کے دو مضامین "تاریخ اسلام میں عقل اور نقل کی کشمکش کے دو اہم ادوار" اور "علی گڑھ اور دیوبند کی دو انتہاؤں کے مابین چند درمیانی راہیں" پڑھ کر آپ کے علمی مزاج اور تجزیاتی صلاحیت کا اندازہ ہوا اور آپ سے عقیدت میں اضافہ ہوا۔ البتہ مولانا مودودی کی شخصیت اور ان کے کام کے بارے میں آپ کی رائے میں کچھ جارحیت اور سختی پائی جاتی ہے جس کا "حکمتِ قرآن" اور "میثاق" کی تحریروں میں اکثر مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ میری عاجزانہ التماس ہے کہ سب کو اپنے اپنے دائروں میں کام کرنے اور دینی جماعتوں کو باہم رواداری کا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے۔ اسی میں دین اور ملک و قوم کی بھلائی ہے۔

آپ کی علمی صلاحیتوں کو دیکھ کر رہ رہ کر یہ خیال آتا ہے کہ آپ انقلاب کو مقصود بنا کر کام کرنے کی بجائے اگر اپنا قیمتی وقت علمی کام میں صرف فرماتے اور اپنے حلقہ سے وابستہ افراد کی تربیت کا گہرا نظام تشکیل دے دیتے تو اس سے جہاں اسلام کے کاز کو زیادہ تقویت حاصل ہوتی وہاں آپ کی صلاحیتوں کا صحیح مصرف بھی ہوتا۔ آپ اگر اب بھی اپنی حکمت عملی اور طریق کار میں تبدیلی فرمائیں تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے حالات میں وہ زیادہ مؤثر ثابت ہو گا۔

آپ دین کے لئے جس لگن، حرکت اور سرگرمی سے شب و روز مصروف ہیں، راقم اس کا دلی طور پر قدردان ہے۔ حیدر آباد میں سرفراز احمد خان صاحب نے بتایا کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے کچھ وقت پہلے ہفتہ میں ایک بار شب بیداری کا پروگرام رکھا تھا، یہ پروگرام تقریباً چھ سات ماہ تک چلتا رہا، اس کا مجھے یہ فائدہ ہوا کہ تہجد زندگی کا معمول بن گیا ہے۔

راقم کی دلی آرزو ہے کہ آپ تربیت کا یہ سلسلہ دوبارہ شروع کریں اور کم از کم ہر تین چار ماہ میں ملک بھر کے کارکنوں کا بھی اسی طرح کا تربیتی پروگرام رکھیں تاکہ خصوصی تعلق باللہ اور عبادت سے شغف کارکنوں کا وظیفہ بن جائے۔ اس سے ان کی عملی زندگی میں غیر معمولی انقلاب پیدا ہو جائے گا۔

والسلام   احقر

محمد موسیٰ بھٹو

سندھ نیشنل اکیڈمی۔ حیدر آباد

© rasailojaraid

مولانا محمد تقی امینی

قوم بنی اسرائیل کی احسان فراموشی و گمراہی

گزشتہ سے پیوستہ

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ تا لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم آپ کا یقین نہیں کریں گے جب تک ہم اللہ کو روبرو دیکھ نہ لیں[1] اس وقت تمہیں کڑک کی آواز نے آلیا۔ پھر ہم نے تمہیں تمہاری موت کے بعد اٹھا کھڑا کیا تاکہ تم شکر کرو[2]۔

٥

[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معافی تلافی کے بعد قول و قرار کی مضبوطی کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ستر مانے ہوئے لیڈروں کو طور پہاڑ پر لے گئے۔ (جس طرح آج کل قول و قرار مسجد یا کسی مقدس جگہ میں لیا جاتا ہے) لیکن ان سے وہاں بھی کچھ بدعنوانی ہوئی اور یہ کہہ دیا کہ ہم تو آپ کا یقین اس وقت کریں گے جب کہ اللہ کو اپنے سامنے بولتا ہوا دیکھ لیں۔ یہ کہنا تھا کہ طور پہاڑ میں زلزلہ کی سی کیفیت پیدا ہوئی اور ایک زوردار کڑاکے کی آواز نے ان کو اس قدر دہشت زدہ کر دیا کہ ان پر موت کی حالت طاری ہوگئی۔ پھر حضرت موسیٰ کی دعا سے وہ حالت دور ہوئی۔ ان کے ہوش و حواس درست ہوئے اور اس قابل ہوئے کہ بخیریت واپس آسکیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کی سمجھ بوجھ ابھی کس قدر خام تھی۔ کس وقت وہ کیا کہہ بیٹھیں اور کیا کر بیٹھیں؟ ان کا کوئی اعتبار نہ تھا۔ یہ خام سمجھ بوجھ ہر اس قوم کی ہو جاتی ہے جو عرصہ تک پستی و ذلت کی حالت میں زندگی گذارتی ہے۔ اس کو کھڑا کرنے کی کوشش میں کیسی کیسی مشقتیں جھیلنی پڑتی ہیں اور کیسی کیسی باتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اس کا اندازہ نبیوں اور رسولوں کی زندگی دیکھ کر ہوتا ہے۔ یہ حضرات بڑے دل گردے کے ہوتے

d.com

ہیں۔ سب کچھ جھیل کر اور سب کچھ سہہ کر قوم کو آگے بڑھاتے اور ترقی کی راہیں دکھاتے ہیں۔۔۔!

ؔلہ وہ دہشت سے مر گئے تھے یا بیہوش ہو گئے تھے۔ اس میں دونوں کی گنجائش ہے۔ موت کا لفظ قرآن میں بیہوشی پر بھی بولا گیا ہے۔ اور مر جاتے پر بھی بولا گیا ہے۔ اللہ کی شکر گذاری کی بات دونوں صورتوں میں ہے۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ تا يَظْلِمُوْنَ

اور ہم نے تم پر ابر کا سایہ کیا اور تم پر من اور سلوٰی اتارا[1] جو کچھ ہم نے پاکیزہ چیزیں دی ہیں ان میں سے کھاؤ اور انہوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے[2]

○

لہ سمندر پار کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو سیناء کے بے آب و گیاہ جنگل سے سابقہ پڑا جہاں دھوپ کی غیر معمولی شدت تھی۔ سایہ کا نام و نشان نہ تھا۔ اللہ نے ان پر ابر کا سایہ کیا وہاں غذا کا کوئی انتظام نہ تھا بس شکار اور ساتھ کے مویشی تھے۔ اللہ نے ان کے لئے قدرتی غذا کا انتظام کیا جس کی صورت یہ تھی کہ اسی جنگل کی کسی وادی میں کچھ جھاڑیاں تھیں۔ جن سے اوس کی طرح کوئی چیز ٹپکتی اور زمین پر گوند کی شکل میں جم جاتی تھی۔ اس کو "ترنجبین" سے بھی مشابہت دی جاتی ہے۔ اسی کو آیت میں "مَنّ" کہا گیا ہے جو اس جنگل میں اللہ کا خاص انعام و احسان تھا۔ اسی طرح بٹیر کی شکل کے پرندوں کو ان سے مانوس کر دیا تھا بڑی آسانی سے پکڑ کر اپنی خواہش کے مطابق ان کو غذا کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اسی کو آیت میں "سلوٰی" کہا گیا ہے۔

یہ نہایت سادہ زندگی تھی جس سے بنی اسرائیل سیناء کے جنگل میں دوچار ہوئے اور کافی عرصہ تک انہیں یہی سادہ زندگی گذارنی پڑی۔ غلامی و ذلت کی زندگی سے نکل کر اونچا مقام حاصل کرنے کے لئے ہر قوم کو ابتداء میں سادہ زندگی ضروری ہوتی ہے۔ اس کے بغیر نہ وہ خرابیاں دور ہوتی ہیں جو غلامی و ذلت کی زندگی میں پیدا ہو جاتی ہیں اور نہ زندگی کی وہ

© rasailojaraid.

تربیت ہو پاتی ہے جو اونچا مقام حاصل کرنے کے لئے درکار ہوتی ہے ۔

ےہ ابتدائی یہ زندگی نہایت احتیاط سے اور سنبھل سنبھل کر گذاری جاتی ہے
لیکن پرانی عادتیں بڑی مشکل سے چھوٹتی ہیں ۔ بنی اسرائیل اس وقت اور ایسی قدرتی نعمتوں
کے انتظام کے باوجود ناشکری و نافرمانی سے باز نہ آئے اور اپنا ہی نقصان کرتے رہے ۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا تا بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ

اور جب ہم نے کہا اس بستی میں داخل ہو جاؤ ۔ پھر اس میں جہاں سے چاہو فراغت
کے ساتھ کھاؤ اور دروازہ میں عجز و نیازمندی کی گردن جھکائے ہوئے داخل ہو
اور کہتے جاؤ اے اللہ مجھے بخش دے تو ہم تمہارے قصور معاف کر دیں گے ۔
اور فرمانبرداروں پر ہم مزید فضل کریں گے لہ پھر اپنے او ظلم کرنے والوں نے
اس بات کو جو اُن سے کہی گئی تھی دوسری بات سے بدل دیا پھر ہم نے ان ظالموں
پر ان کی نافرمانی کی وجہ سے آسمان سے عذاب بھیجا ٹہ

○

لہ سینا کے جنگل میں من و سلویٰ جیسی قدرتی نعمتیں مہیا ہونے کے باوجود بنی اسرائیل
سے کہا گیا کہ اگر اپنی خواہش کے مطابق غذا چاہتے ہو تو قریب کی سرحدی بستی میں چلے جاؤ
وہاں تمہیں خواہش کے مطابق غذا مل جائے گی لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ وہاں
کبر و غرور اور سرکشی میں نہ مبتلا ہونا بلکہ پھاٹک میں داخل ہوتے وقت اللہ کے حضور
عجز و نیازمندی کا سر جھکائے رہنا اور زبان سے توبہ و استغفار کرتے ہوئے جانا ۔
بنی اسرائیل نے اس ہدایت پر عمل کرنے کے بجائے اس کا مذاق اڑانا شروع کر دیا اور
توبہ و استغفار کے بجائے اللہ کی جناب میں بے ادبی و گستاخی کے کلمات کہنے لگے اور
سرکشی میں مبتلا ہو گئے ۔ جس کے نتیجہ میں اللہ کا عذاب آیا اور کافی لوگ ہلاک ہو گئے ۔

ٹہ قرآن میں نہ بے ادبی و گستاخی کے کلمات کا ذکر ہے نہ اس بستی کا نام ہے نہ اس
میں داخل ہونے کا ذکر ہے اور نہ اس واقعہ اور دوسرے تاریخی واقعات میں
چھوٹی چھوٹی باتوں کی تفصیل بیان کرنا قرآن کے پیش نظر ہے ۔ البتہ مفسرین نے

d.com

بائیبل وغیرہ کے حوالے سے ہر ایک کا ذکر کیا ہے مثلاً توبہ کا جملہ "حطۃ" کی بجائے "حبتہ فی شعرۃ (بالی میں دانہ)۔ سرحدی بستی کا نام "سطیم" جس میں وہ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں داخل ہوئے اور وہاں بدکاریاں کیں اور "عذاب" سے مراد طاعون ہے جس میں بہت سے لوگ ہلاک ہوگئے

اس واقعہ میں بنی اسرائیل کو یہ دکھانا ہے کہ ابھی ان کی زندگی کی سطح کتنی پست ہے! اور سرداری و سربلندی کی منزل ابھی ان کے لئے کتنی دور ہے! اسی طرح دنیا کی قوموں کو یہ بتانا ہے کہ زندگی کی اس سطح کو سمجھنا آسان نہیں ہے جس سے وہ سرداری و سربلندی کے قابل بنتی ہے۔ قوموں کی زندگی میں بے شمار مواقع ایسے آتے ہیں کہ جہاں تھوڑی بہت فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور جیسے جلوس میں کامیابی ہونے لگی بس وہ خود فریبی میں مبتلا ہوگئیں اور اللہ کے بارے میں اور خود اپنے بارے میں طرح طرح کے قیاسات اور غلط اندازے کرنے لگیں حالانکہ صرف اوپر کی سطح ہوتی ہے جبکہ اللہ کے یہاں فیصلہ کن نیچے کی سطح بنتی ہے جس کا تعلق کردار اور معاملات کی درستگی سے ہے یعنی اگر اندر کا ظرف نہیں تیار ہوا اور لوگ اپنے کردار اور باہمی معاملات میں درست نہیں ہوئے تو باہر کی دنیا میں کتنا ہی شور ہنگامہ کرتے رہیں۔ قدرت کی نظر میں وہ سرداری و سربلندی کے قابل نہیں بنتے ہیں۔

بنی اسرائیل عرصہ تک غلامی و پستی اور ذلت و حقارت کی زندگی گذارتے رہے۔ سینا کے جنگل میں قدرتی نعمتیں پانے کے بعد خود فریبی میں مبتلا ہوئے اور بے قابو ہوگئے۔ اللہ نے ان کی جانچ کے لئے ایک موقع فراہم کیا کہ شہر جاؤ اور دیکھو کہ تم نے کس قدر اپنے کو سرداری و سربلندی کے "قابل" بنایا ہے۔ چنانچہ وہ شہر گئے اور جاتے ہی ان کی "پول پٹی" کھل گئی پھر اسکے بعد دوبارہ انکو سینا کے جنگل میں واپس ہونا پڑا۔ یہ موقع ترقی کی جدوجہد میں ہر قوم کو ملتا ہے۔ جس سے اس کی جانچ ہوتی ہے اور خود فریبی اور غلط اندازوں کا پردہ چاک ہوتا ہے لیکن بہت کم قومیں ہیں جو اس سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ ۔۔۔ مُفْسِدِيْنَ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی کی درخواست کی تو ہم نے کہا کہ اپنے عصا کو پتھر پر مارو پھر اس سے ۱۲ چشمے بہہ پڑے۔ ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا

© rasailojaraid © rasailojaraid.

(ہم نے کہا) اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد مچاتے

نہ پھرو۔

○

۱ـ غذا کے ذکر کے بعد یہ پینے کے پانی کا ذکر ہے۔ سیناء کے جنگل میں دونوں ہی کی ضرورت تھی جس طرح حضرت موسیٰ نے غذا کے لئے دعا کی تھی پانی کے لئے بھی دعا کی تھی۔

۲ـ پتھر سے پانی بہہ پڑنا چٹانوں سے چشمہ جاری ہو جانا اب کوئی معجزہ نہیں رہا لیکن جس وقت اور جس طرح یہ واقعہ ہوا بے شک وہ "معجزہ" تھا۔ جنگل و بیابان میں جہاں پانی کا نام و نشان نہ تھا کسی ایک چٹان یا پتھر کی نشاندہی کرنا اور اس پر عصاء سے ضرب لگانے کا حکم دینا اور پھر ضرب لگانے سے چشمہ کا جاری ہو جانا ۔ ایک دو نہیں بارہ چشمے یقیناً ایسی بات ہے جو عام سطح سے بلند اور قدرت کے عام قانون کے خلاف ہے ۔ اس کا تعلق اس خاص قانون یا قانون کی دوسری قسم سے ہے جس کا ذکر اوپر آیت وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ میں ہو چکا ہے اور انسان کی دسترس سے باہر ہے۔ رہی یہ بات کہ حضرت موسیٰؑ کو وہ پتھر معلوم تھا اور اس سے چشمہ نکلنا بھی ان کے علم میں تھا صرف عصاء کو ایک بہانہ بنایا گیا تاکہ یہ واقعہ "معجزہ" کہلائے اور بنی اسرائیل کو مرعوب کر کے ان کو جھکنے پر آمادہ کیا جائے ۔ اس قسم کی چالبازی و بہانہ بازی ہماری مکر و فریب کی زندگی کے "کرتب" ہیں نبوت کی زندگی مکر و فریب کے ان "کرتبوں" سے پاک و صاف ہوتی ہے۔ جب اللہ سے تعلق ٹوٹتا یا کم ہوتا ہے تو ان کرتبوں کا رواج زیادہ ہو جاتا ہے اور جب اللہ سے تعلق مضبوط ہوتا ہے تو پھر ان کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ اللہ کی مدد ایسے مختلف طریقوں سے ظاہر ہوتی ہے جن کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا ۔

بارہ ۱۲ چشمے بنی اسرائیل کے بارہ ۱۲ قبیلوں کی مناسبت سے ہیں اور اس لئے ہیں کہ پانی کی خاطر آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کریں۔ ان بارہ چشموں کا ذکر تورات میں بھی ہے اور سیاحوں نے بھی ان کی تصدیق کی ہے ۔

جو نعمتیں خالص عطیۂ خداوندی ہوتی ہیں۔ جن کو حاصل کرنے میں زیادہ محنت اور کدوکاوش کی ضرورت نہیں پڑتی ہے ان کے ذریعے دراصل اللہ کی طرف سے ذلّت و پستی کے کام چھوڑنے

.com
d.com

اور ترقی و سربلندی کے کام اختیار کرنے کا خاص موقع فراہم کیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر قدرتی غذا اور پانی کے انتظام کے بعد فرمایا گیا کہ ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ پیو۔ اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی حالت درست کرلو۔ فتنہ و فساد چھوڑ دو جس کی بدولت اب تک تمہاری زندگی تباہ ہوتی رہی ہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی تا مَا سَاَلْتُمْ

اور جب تم نے کہا اے موسٰی ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر ہرگز بس نہ کریں گے۔ آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لئے زمین کی پیداوار میں سے سبزی ترکاری، کھیرا ککڑی، گیہوں دال، لہسن اور پیاز پیدا کرے۔ موسٰی نے کہا کیا تم اس چیز کو لینا چاہتے ہو جو ادنیٰ ہے اس کے بدلے جو اعلیٰ ہے۔ کسی شہر میں چلے جاؤ تمہیں وہ سب مل جائے گا جس کو تم مانگتے ہو۔

o

بنی اسرائیل سیناء کے جنگل میں من و سلویٰ کھاتے کھاتے اکتا گئے تھے ان کو ان چیزوں کے کھانے کی بیچینی ہوئی جو غلامی کے زمانہ میں پہلے کھایا کرتے تھے۔ آیت میں بتایا گیا ہے کہ ذلت و پستی کی جگہ عزت و سربلندی کی زندگی کی ایک قیمت ہے جس کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ یہ قیمت پچھلی زندگی کی کمی کو دور کرنے اور اگلی زندگی کے قابل بنانے کے لئے ہوتی ہے۔ اس قیمت کی ادائیگی میں بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چھوٹی چیزوں کو چھوڑنا اپنے فائدہ اور اپنی پسند کی چیزوں کو قربان کرنا راہ کی ہر تکلیف و مصیبت کو جھیلنا سبھی شامل ہے۔ پھر اگلی زندگی کا مقصد اگر عام سطح سے بلند ہوتا ہے تو اس کے حاصل کرنے کے لئے خاص قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور اسی کی مناسبت سے مشقت و قربانی کی شکلیں متعین ہوتی ہیں۔ بنی اسرائیل کو جس قسم کی قیادت و سرداری کے لئے تیار کیا جا رہا تھا۔ اس کے پیش نظر ان سے خاص قیمت کا مطالبہ تھا لیکن عرصہ تک ذلت و پستی کی زندگی نے ان کے کس بل نکال دیئے تھے۔ قولی عظمت و سرداری ان کے سامنے تھی لیکن اس کو حاصل کرنے کے لئے ان میں جوش و ولولہ باقی نہ رہا تھا۔ وہ ان کھانوں اور کمتر درجہ کی راحتوں کے لئے تڑپتے تھے جو غلامی و پستی کی زندگی میں انہیں حاصل تھیں اور ان کو وہ مشقتیں اور قربانیاں نہایت دشوار معلوم ہوتی تھیں جو ان کو عزت و سربلندی حاصل کرنے کی راہ میں پیش آ رہی تھیں۔ واقعات

© rasailojaraid
© rasailojaraid.